عرب قوم پرستی

اسلامی نقطۂ نظر سے خطرناک کیوں؟

ابوالحسن علی ندوی

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام

ندوۃ العلماء لکھنؤ

www.abulhasanalinadwi.org

بار اول ... ... ایک ہزار
ستمبر ۔ ۱۹۶۴ء
قیمت ... ... ۵۰ نئے پیسے
مطبوعہ : شاہی پریس نعمت اللہ روڈ لکھنؤ

ناشر
مجلس تحقیقات ونشریات اسلام
ندوۃ العلماء لکھنؤ

فہرست

۱۔ پیش لفظ
۲۔ عربوں کا انتخاب اور اس کی حکمت
۳۔ عرب اور اسلام کا لافانی رشتہ اور اس کے انتظامات
۴۔ اسلام عربی زبان اور تہذیب کی جہانگیری کا راز
۵۔ عربوں میں قومیت کے احساس کا آغاز اور اس کے محرکات
۶۔ تحریک قومیت کے قائد عیسائی فضلاء
۷۔ مرکز خلافت کے انتقال کی پہلی تحریک اور اسکے مغربی محرکین
۸۔ عربوں کی ترکوں سے بغاوت
۹۔ قومیت کے مغربی مفہوم کی عربوں میں مقبولیت

www.abulhasanalinadwi.org

۱۰۔ قومیت بحیثیت نظام و فلسفہ اور عقیدہ و مذہب
۱۱۔ عرب قومیت لادینیت اور الحاد کی نقیب محدود نقطۂ نظر کی حامی
۱۲۔ عرب قومیت کی تحریک مشرق وسطیٰ کے عیسائیوں کی گہری سازش
۱۳۔ دعوت اسلامی کے لئے خطرہ
۱۴ عرب قومیت کی مخالفت کا اصل سبب اور محرک
۱۵ مغرب کے رمز شناسوں کی قومیت پر تنقید
۱۶۔ خاتمہ کلام

پیش لفظ

انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں مشرق میں جا بجا قوم پرستی یا نیشنلزم کی تحریکیں پیدا ہوئیں۔ اسلامی ممالک بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں تھے، یہاں تک کہ خود وہ اسلامی ممالک بھی جو کسی دوسری قومیت کے مسلم ممالک کے زیر حکومت تھے۔ وہ بھی اس عالمگیر اثر سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے[1]۔ اور ان میں بھی قوم پرستی کی تحریک پیدا ہوئی اور وہ روز بروز شدت اختیار کرتی چلی گئی۔

یہ قوم پرستی کی تحریکیں مغرب کے نیشنلزم کی صدائے بازگشت تھیں، جن کا مغرب کے فلسفوں اور مغرب کے ادب و لٹریچر نے دو صدیوں تک نہایت بلند آہنگی کے ساتھ صور پھونکا تھا، اس لئے قدرتی طور پر ان تحریکوں کے پرجوش نقیب اور داعی عام طور پر وہی لوگ تھے جنھوں نے مغرب میں تعلیم پائی تھی یا مغربی اقدار و افکار سے متاثر تھے، ان کے ذہن میں قومیت کا وہی مفہوم اور وہی تصور تھا جو مغرب نے عطا کیا اور جس پر مغرب عقیدہ رکھتا ہے، ان مشرقی قائدین و زعماء کی

---

[1] مثلاً عرب ممالک جو ترکی کے زیر حکومت تھے۔

www.abulhasanalinadwi.org

تشریحات، ان کا طریق فکر، ان کے جذبات و احساسات، اُن کے منصوبے اور نقشے اور جو خواب وہ دیکھتے تھے یہ سب کچھ بعینہ وہی تھا جو ان کے اساتذۂ مغرب نے سکھایا تھا۔

اسلامی ممالک میں جن لوگوں کی نظر قومیت کے اس مغربی مفہوم اور فلسفہ اور مغرب کے اس تجربہ پر گہری اور وسیع نہیں تھی، یا جن کی نظر محض مغرب کی استعماری طاقتوں کے خطرات اور اس کے غاصبانہ اور ظالمانہ طرز عمل پر تھی، اور جن کے نزدیک سب سے زیادہ اہمیت ان طاقتوں کو شکست دینے کی تھی اور جو تحریک قومیت کو اپنے مطالعہ اور معلومات کی بنا پر صرف ایک دفاعی اور تنظیمی تحریک اور حصول مقصد (آزادی) کا ایک محدود اور معصوم ذریعہ سمجھتے تھے، انھوں نے اس قومیت کی شد و مد کے ساتھ مخالفت کی ضرورت نہیں سمجھی، بلکہ بعض اوقات ان تحریکوں کا خیر مقدم کیا، اور بعض اوقات چشم پوشی سے کام لینا ضروری سمجھا۔

لیکن جو قومیت کے مغربی مفہوم سے گہری واقفیت رکھتے تھے اس کے مضمرات و لوازم، اس کے مزاج و قوام اور اس کے تاریخی پس منظر سے واقف تھے انھوں نے بڑی شدت سے اس تحریک کی مخالفت کی، اس سے کسی طرح کی مصالحت یا رعایت کو روا نہیں رکھا، اس کو اسلام کے لئے ایک عظیم خطرہ اور کسی اسلامی ملک کے لئے فتنۂ کبریٰ قرار دیا، اور اس معاملہ میں ایک ایسے گروہ کے مقابلہ میں جو ہمیشہ چھوٹی سے چھوٹی گمراہیوں، اعتقادی و عملی ضلالتوں اور رسوم و بدعات تک کی مخالفت میں سرگرم رہا ہے۔ وہ گروہ زیادہ حساس، غیور اور جری ثابت

ہوا، جس کو اپنی بہت سی عملی کمزوریوں کا اعتراف ہے اور اس سے زیادہ دور بینی، حقیقت شناسی اور دینی غیرت و حمیّت کا اظہار ہوا۔ یہاں تک کہ بعض اہل درد کو یہ کہتے سنا گیا کہ : ع

جوانانِ تتاری ہی بڑے صاحب نظر نکلے

یوں تو عالم اسلام میں جہاں جہاں قوم پرستی کی تحریک اٹھی اس نے ایک فلسفۂ نظام اور ایک نئے مذہب کی شکل اختیار کی وہ اسلام کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی تھی، اور تقریباً انسانی زندگی کے اس پورے رقبہ پر قبضہ کرنا چاہتی تھی جس پر عرصہ سے اسلام حکومت کر رہا تھا، اس کے اندر عقائد، اخلاقیات، جذبات، محبت و نفرت، وابستگی و ناوابستگی اور جوش و خروش غرض وہ تمام عناصر و اجزا شامل تھے جن کو آسمانی مذاہب صرف اپنا حق سمجھتے ہیں، اس لئے دین کا صحیح فہم اور دین سے محبت رکھنے والوں نے اس کو اپنا رقیب و حریف سمجھا، ان کو اس تحریک کی ترقی سے وحدتِ اسلامی پارہ پارہ ہوتی اور الحاد و لادینیت پھلتی پھولتی نظر آئی، اور انھوں نے اس کی مخالفت کو اپنا فرض سمجھا، اس میں ترکی و ایران اور کرد و افغان کی قومیت اور نیشنلزم کی تحریکیں ایک ہی حیثیت رکھتی ہیں اس لئے وہاں کے تمام راسخ العقیدہ اور صحیح الخیال مسلمانوں نے ان کی مخالفت کی اور ان تمام "بتانِ رنگ و بو" کو توڑ کر —— "وإنّ هذه أمّتكم أمّة واحدة وأنا ربّكم فاعبدون[1]" کا نعرہ

[1] الانبیاء ع ۶ یہ ہے تمہارا طریقہ کہ جس پر تم کو رہنا واجب ہے) وہ ایک ہی طریقہ ہے اور میں تمہارا رب (حقیقی) ہوں۔ سو تم میری عبادت کیا کرو۔

www.abulhasanalinadwi.org

لگایا، لیکن قومیت عربیہ اور عرب نیشنلزم کا معاملہ ان سب سے جدا تھا اگر ترک و ایرانی اور کردی و افغانی ایک مسلمان ملت کا انحراف تھا تو عرب نہ صرف ایک ملت بلکہ دعوت اسلامی کا سرچشمہ اور اس کے اولین داعی اور نقیب تھے، ان کا ملک اسلام کا منبع بھی تھا مامن بھی اور منتہا بھی، ان کا قوم پرستی کا داعی بننا اور عالمگیر اسلامی دعوت کے حامل بننے کے بجائے اپنی محدود قومیت اور "عروبۃ" کا علمبردار بن جانا ایک اہم تاریخی حادثہ تھا، اگر دوسری قوموں کی گمراہی ان قوموں کا انحراف تھا تو عربوں کی گمراہی ایک تحریف، اس لئے عالم اسلام میں جتنی بے چینی محسوس کی جاتی، جس تشویش کا اظہار کیا جاتا، اور دین کے فکرمندوں اور دردمندوں کا خواب و خور حرام ہو جاتا کچھ بے جا نہ تھا، لیکن اس کے برعکس اس واقعۂ ہائلہ کی بہت کم اہمیت محسوس کی گئی اور دینی حلقوں کا وہی حال ہوا جس کی چھٹی صدی ہجری میں حکیم سنائی غزنوی نے شکایت کی تھی: ع

گرفتہ چینیاں احرام و مکی خفتہ در بطحا

دینی حلقوں میں یہ تشویش و اضطراب کیوں محسوس نہیں کیا گیا، اور جو لوگ کسی معمولی سی گمراہی تک کو بھی برداشت نہیں کر سکتے، انھوں نے اتنی بڑی گمراہی کیسے برداشت کر لی، بلکہ بعض اوقات اس گمراہی کے علمبرداروں کو سراہنے اور ان کی تعریف کرنے سے بھی باز نہیں رہے؟ اس کے دو بڑے سبب ہیں:

ایک تو یہ کہ قومیت عربیہ کے علمبرداروں کے حقیقی خیالات و جذبات کا ان حضرات کو بہت کم علم ہونے پاتا ہے، ہندوستان و پاکستان میں بہت کم ایسے لوگ ہیں جنھوں نے قومیت عربیہ کا مستند لٹریچر پڑھا ہے اور وہاں کے رسائل و اخبارات اور اس

تحریک کے زعماء و ابطال کی وہ تقریریں ان کی نظر سے گذرتی رہتی ہیں جو ان کے اصلی خیالات کی ترجمان ہیں، اس لئے ان حضرات کی معلومات بہت سرسری اور سطحی اور زیادہ تر سیاسی بیانات تک محدود ہیں، اس لئے اگر وہ ان کے متعلق صحیح رائے قائم نہیں کر سکے اور ان کے دل میں جو یقیناً اسلام کی محبت و حمیت سے معمور ہے کوئی خلش اور بے چینی نہیں پیدا ہوئی تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ان کو یہ معلوم نہیں کہ قومیت عربیہ کا معاملہ کہاں تک پہونچ چکا ہے، اس کے حقیقی نشانے کیا ہیں، اس کے اندر الحاد و لادینیت کا عنصر کس قدر شامل ہو چکا ہے، مشرق وسطیٰ کے وہ تعلیم یافتہ نوجوان جو اس لٹریچر سے متاثر اور اس کے علمبرداروں کے گرویدہ ہیں، ان کے زبان و قلم سے کن خیالات کا اظہار ہوتا ہے، وما تخفی صدورھم اکبر[1]

دوسرا سبب وہ بعض "فتوحات" اور کامیابیاں ہیں جو اس تحریک کے علمبرداروں کو حاصل ہوئیں، مثلاً: نہر سویز کا نیشنلائزیشن، پورٹ سعید کے معرکہ میں فتح، مصر جدید کی بعض ترقیاں، یمن میں مطلق العنان شاہی سلطنت کا خاتمہ، نیز ان رہنماؤں کے بعض دینی مظاہرے اور اسلام سے اپنی دلچسپی کے اظہار کے وہ طریقے جن کا وہ مختلف کانفرنسوں، وفود اور امدادوں کی شکل میں مظاہرہ کرتے رہتے ہیں[2]۔ ان کامیابیوں نے (جن کا حقیقتاً عرب نیشنلزم سے

---

[1] اور جو کچھ وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے شدید تر ہے۔

[2] مثلاً قاہرہ میں حالیہ موتمر اسلامی۔

www.abulhasanalinadwi.org

زیادہ تعلق نہ تھا اور ان کے بعض بین الاقوامی و سیاسی اسباب تھے، ان کو اس تحریک کے علمبرداروں کی تنقید و مخالفت سے باز رکھا، لیکن یہ حضرات جس گروہ کے نمائندہ ہیں اس کا ہمیشہ سے یہ شعار رہا ہے کہ اس نے دینی نقصان اور دینی تحریف کا لحاظ مادی کامیابیوں سے زیادہ کیا ہے، اور اگر دین کو نقصان پہونچا کر کوئی نئی سلطنت بھی ملی ہے تو اس کو انھوں نے کامیابی نہیں سمجھا ہے، فقہائے اُمت اور اہل عزیمت کی پوری تاریخ اسی دینی مزاج اور اسی دینی نقطۂ نظر کی مثالوں سے پُر ہے، اور اگر یہ نہ ہوتا تو یہ دین عیسائیت کی طرح اور یہ ملت بعض دوسری مذہبی اقوام کی طرح کب کی مسخ ہو چکی ہوتی، لیکن ان علمائے حق کی بدولت جنھوں نے ہر دور میں "کونوا قوامین للہ شہداء بالقسط" کے فرمان پر عمل کیا اور "کلمۃ حق عند سلطان جائر" کے جہاد اکبر کی سعادت حاصل کرتے رہے یہ دین و ملت ہر تحریف سے محفوظ رہے۔

راقم سطور کو حجاز، مصر، شام اور کویت میں کئی بار ریڈیو پر، استقبالی جلسوں میں اور بعض اہم مواقع پر قومیت عربیہ کے متعلق اظہار خیال کرنے کا موقع ملا، اور اس موضوع پر مختلف رسائل میں مضامین لکھنے کی نوبت آئی، یہ مضامین اور تقریریں مختلف رسائل و مجلات اور کتابچوں کی شکل میں موجود تھیں، عرب نوجوانوں کے اس حلقہ کے لئے جو اسلامی فکر کا داعی اور اس کا پرجوش حامی ہے ان کو یکجا کرنے کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ جولائی ۱۹۶۴ء میں "العرب والاسلام" کے نام سے یہ مجموعہ تیار ہو گیا، مصنف نے جب اس کے لئے مقدمہ لکھا تو اس کو محسوس ہوا کہ یہ مقدمہ بجائے خود اس مسئلہ کی نزاکت سمجھنے کے لئے

کافی ہے اور خصوصیت کے ساتھ ہندوستان و پاکستان کے اُن اہل فکر کے لئے اس کا مطالعہ مفید ہوگا جن کا رویہ اس تحریک کے بارے میں بہت نرم ہے اور جنھوں نے کبھی کبھی اس کی حمایت و مدافعت میں آواز بلند کی ہے یہ مضمون ان کو اپنے اس رویہ پر نظر ثانی کرنے اور اس مسئلہ پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے اور اس کی مضرت کا ایک ایسا پہلو سامنے لاتا ہے جو شاید اس سے پہلے اتنی وضاحت اور تفصیل کے ساتھ ان کے سامنے نہ آیا ہو،

اسی افادیت کے پیش نظر میرے ایما سے برادر زادۂ عزیز سید محمد الحسنی مدیر "البعث الاسلامی" نے اس کو اردو میں منتقل کیا اور وہ "الفرقان" جولائی ۱۹۶۴ء میں شائع ہوا، اب اس کو چند اضافوں کے ساتھ ایک مستقل رسالہ کی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے۔ امید ہے کہ ہمدردی اور دلچسپی کے ساتھ اس کا مطالعہ کیا جائے گا اور وہ اس مقصد کے لئے مفید ہوگا، جس کے لئے وہ پہلے عربی میں اور پھر اردو میں لکھا گیا۔" وعلی اللہ قصد السبیل

دائرہ حضرت شاہ علم اللہؒ
رائے بریلی

ابوالحسن علی
۱۹؍ اگست ۱۹۶۴ء

www.abulhasanalinadwi.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عربوں کا انتخاب اور اُس کی حکمت

اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور اوّلین قیادت کے لئے

اللہ تعالیٰ نے اقوام عالم میں عربوں کو منتخب فرمایا۔ اور جس طرح ... بنی اسرائیل کے لئے فرمایا گیا تھا ولقد اخترناھم علی علم علی العالمین۔ (اور بے شک ہم نے اپنے علم کی بنا پر اقوام عالم میں سے ان کا انتخاب کیا) اسی طرح نبی عربی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ارشاد ہوا۔ "اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ" (اللہ بہتر جانتا ہے کہ کس کے سپرد کرے اپنی پیغامبری)

اس انتخاب کے وجوہ اور اسباب کیا تھے اور وہ کیا صفات و خصوصیات تھیں جن کی بنا پر عربوں کو یہ شرف بخشا گیا، یہ عرصہ سے محققین اور اہل نظر کا موضوع چلا آرہا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ دور اوّل کے عربوں نے

اسلام کے مزاج کو سمجھنے، اس کی تعلیمات کو صحیح اور مکمل طریقہ پر اخذ کرنے، اس کے خلاف ہر چیز سے بے تعلقی اور کنارہ کشی اختیار کرنے اسلام کی اشاعت کے لئے اپنے بے مثال جوش اور بے نظیر قربانی، اس کی رُوح اور اُس کی نفسیات کی حفاظت میں غیر معمولی احتیاط اور امانت داری اور عقلوں کو مطمئن کرنے اور قلوب کو مسخر کرنے میں حیرت انگیز کامیابیوں سے اس انتخاب کے لئے اپنی اہلیت اور استحقاق کو پوری طرح ثابت کردیا۔

عرب اور اسلام کا لافانی رشتہ اور اس کے انتظامات

اللہ تعالیٰ نے عربوں اور اسلام کے درمیان ایک غیر فانی رشتہ قائم کردیا اور ہر ایک کے مستقبل کو دوسرے سے وابستہ فرمادیا، اب عربوں کو اسلام کے سوا کسی اور چیز سے عزت و سرفرازی حاصل نہیں ہوسکتی اور اسلام اپنی صحیح شکل و صورت، اور پورے اعتدال و توازن کے ساتھ اسی وقت تک ظاہر ہوا جب تک عرب اس دعوت کے حامل اور علم بردار رہے۔

عربوں اور اسلام کے درمیان اس رشتہ کی استواری اور پائیداری کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت خیال اور اہتمام تھا، آپ نے جزیرۂ عرب کو اسی مقصد سے اس کا ابدی مرکز اور پایۂ تخت بنایا اور اس بات کی پوری فکر کی کہ وہاں امن و سکون کی فضا برقرار رہے اور وہ مضبوطی کے ساتھ اس راستہ پر قائم رہیں، اس لئے کہ دارالسلطنت اور مرکز قیادت کو ہمیشہ انتشار، بے یقینی اور کش مکش سے پاک رہنا چاہیئے۔ اس کے لئے آپ نے

www.abulhasanalinadwi.org

بہت سے دوررس احکام دیئے، اپنے اصحاب کرام سے اس کے لئے عہد و پیمان لئے اور بہت سی حکیمانہ وصیتیں فرمائیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس بات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری وصیت یہ فرمائی تھی کہ لایترک بجزیرۃ العرب دینان (جزیرہ عرب میں دو دین جمع نہ ہوں[1])

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا حکم فرمایا کہ ہم مدینہ میں اسلام کے علاوہ کوئی دین باقی نہ چھوڑیں[2]۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لأخرجن الیہود و النصاریٰ من جزیرۃ العرب حتی لا ادع الا مسلما[3] (میں جزیرۂ عرب سے یہود و نصاریٰ کو ضرور نکالوں گا یہاں تک کہ ایک غیر مسلم کو بھی اس میں باقی نہ چھوڑوں گا۔)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین بھی اسی اصول پر کاربند رہے۔ اور جزیرہ عرب کو اسلام کا مرکز اور دعوت اسلامی کا راس المال سمجھتے رہے، امیرالمومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے نائب و خلیفہ کو جو وصیت کی اس میں یہ فرمایا " اوصیہ بالاعراب خیراً فانہم

---

[1] مسند احمد و اوسط طبرانی [2] طبرانی
[3] صحیح مسلم و جامع ترمذی

اصل العرب و مادۃ الاسلام[1] (عرب کے اہل بادیہ کا خیال رکھا جائے اس لئے کہ وہ اصل عرب اور اسلام کی طاقت کا سرچشمہ ہیں)

ایک طویل عرصہ تک عربوں اور اسلام کا چولی دامن کا ساتھ رہا۔ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوئے گویا دونوں نے علیحدہ نہ ہونے کی قسم کھالی تھی اور اس عہد وفا پر مضبوطی سے قائم رہے۔

"اسلام" عربی زبان اور تہذیب کی جہانگیری کا راز

اس طرح عربوں نے اسلام سے عزت و سرفرازی پائی، پوری دنیا کی قیادت حاصل کی۔ اُن کی زبان ان کی ثقافت ایسے ایسے دور دراز اور اجنبی مقامات اور ماحول میں پہونچی جہاں اسلام اور قرآن کے بغیر اس کا پہونچنا ناممکن تھا، علماء اور اہل فکر نے اس کو علم دین اور تصنیف و تالیف کی زبان بنایا، اگر وہ اسلام کی سرکاری زبان اور اسلامی کتب خانہ کی کلید نہ ہوتی تو کبھی یہ ممکن نہ تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام نہ صرف باقی رہا بلکہ اس نے گریز پا ترقی کی مشکلات اور دشواریوں پر قابو حاصل کیا اور اس قدر غیر معمولی سرعت کے ساتھ پھیلا کہ دنیا آج تک محو حیرت ہے، یہ سب عربوں کے جوش جہاد، اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے ساتھ گرمجوشی اور مفتوحین کے ساتھ ان کے حسن سلوک کا نتیجہ تھا، اسلام اور عرب میں سے ہر ایک دوسرے کا مددگار اس کی قوت

---

[1] صحیح البخاری کتاب المناقب باب مناقب عمر بن الخطابؓ۔

www.abulhasanalinadwi.org

کا راز اور اس کی عزت و آبرو کا پاسبان تھا۔

اس پرسکون فضا اور خوشگوار ماحول میں صرف دو تین واقعات ایسے پیش آئے جن کی وجہ سے کسی قدر انتشار و اضطراب پیدا ہوا اور اس مبارک اتحاد کو نقصان پہونچا، ان واقعات کے پیچھے بعض اشخاص اور اغراض کی کارفرمائی تھی، ان میں سے ایک وہ مشہور تحریک تھی جسکو تاریخ میں "شعوبیت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے[1]۔ اور جس کا علم بعض عجمی علماء نے تیسری صدی ہجری میں بلند کیا۔ یہ وہ لوگ تھے جن کا دل اسلام پر پوری طرح مطمئن نہ تھا اور ان کے دل میں ایران کی شہنشاہی کے زوال کا زخم تھا۔ اس کا دوسرا سبب بعض غیر عربی عناصر[2] کا تکبر و قومی عصبیت اور عربوں کے منصب و کردار اور ان کی دینی حیثیت و مرتبہ کو مجروح کرنے کی کوشش تھی، عربی حمیت اس بے انصافی اور حق تلفی کے خلاف قدرتی طور پر ابھر کر اس کے سامنے آئی لیکن ایمان و اسلام کی محبت جو عربوں کے رگ و ریشہ میں پیوست تھی۔ اس فوری اور ہنگامی جذبہ پر غالب رہی، ہمیں تاریخ میں کہیں نظر نہیں آتا کہ اس عہد میں کوئی منظم تحریک یا مدوّن فلسفہ وجود میں آیا ہو جس کو "قومیت عربیہ" کا نام دیا جا سکے، عرب اسلام ہی پر جیتے اور مرتے رہے۔ دونوں کی تاریخ ایک دوسرے سے وابستہ اور ایک دوسرے میں پیوست رہی۔

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "ضحی الاسلام" از ڈاکٹر احمد امین حصہ اول

[2] ایرانی و ترک۔

عربوں میں قومیت کے احساس کا آغاز اور اس کے محرکات

انیسویں صدی عیسوی کے وسط تک یہ صورت حال برقرار رہی ادھر ترکوں میں جو شام و عراق اور حجاز کے حکمراں تھے قومی غرور پیدا ہونا شروع ہوا، بہت سے ترکی حکام عرب اقوام اور عربی زبان سے اس قسم کا معاملہ کرنے لگے جو کوئی سامراجی ذہنیت کی قوم اپنی مفتوح قوم کے ساتھ کرتی ہے اور باوجود اس کے کہ حجاز اور حرمین شریفین کے لئے وہ پوری فیاضی کے ساتھ اپنی دولت کا استعمال کرتے تھے نیز وہ دینی اور روحانی حیثیت سے عربوں کو اپنا محسن اور ان کو اپنے لئے واجب التعظیم سمجھنے لگے۔ لیکن بعض ناعاقبت اندیش حکام سے تشدد، اکھڑپن اور تکبر وغیرہ کا مظاہرہ ہوا اور رواداری، فراخدلی، لطافتِ ذوق، آزادیٔ رائے اور عربوں کے جائز میلانات اور قدرتی رجحانات کے احترام کا مظاہرہ اُن سے نہ ہو سکا، جس کی اس تغیر پذیر اور نازک عہد میں ایک مدبر و بالغ نظر حکومت سے بجا طور پر توقع تھی، خاص طور پر ایسی صورت میں جبکہ عرب اسلامی دعوت کا سرچشمہ تھے۔ بعض کوتاہ نظر اور بے لوچ حکام[1] نے عربی شخصیت کو ختم کرنے کی بھی کوشش کی اور عربی زبان و ثقافت کے ساتھ بیگانگی کا معاملہ کیا اور عربوں کے قومی شعور کو کچلنے میں ان سے بعض اوقات بے رحمی اور سنگدلی کا بھی اظہار ہوا[2]

---

[1] اس سلسلہ میں خاص طور پر جمال پاشا گورنر شام کا نام لیا جاتا ہے جن کے مظالم نے ان کو جمال السفاح کا لقب عطا کیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

اِن سب چیزوں نے عربوں میں ایک انتقامی جذبہ اور عربی نخوت و عصبیت پیدا کردی اور ایک قوم پرست مصنف کے الفاظ میں:

"انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں بہت سے عربوں میں عرب قوم پرستی کا شعور پیدا ہونا شروع ہو گیا اور یہ عمل سب سے پہلے ملک شام میں شروع ہوا جبکہ انھوں نے غیر ملکی "ترکی" "اقتدار کو ختم کرنے کا ارادہ کیا"[1]

تحریک قومیت کے قائد عیسائی فضلاء

اس تحریک کے اولین قائد و علم بردار بعض مسیحی فضلاء تھے جن کا ترکوں سے عقیدہ و مذہب اور اخوت اسلامی کا کوئی رشتہ نہ تھا، وہ اس مغربی ثقافت کے حامل تھے جس کی بنیاد ہی قومی عظمت اور قوم پرستی کے جذبہ پر ہے، اس وقت اس تحریک کے لیڈر ڈاکٹر فارس نمر شیخ ابراہیم الیازجی استاذ نجیب العاذوری لبنانی تھے[2]

مرکز خلافت کے انتقال کی پہلی تحریک اور اسکے مغربی محرکین

عربوں میں خلافت عثمانیہ سے علیحدگی اور ایسی خلافت کے قیام کا خیال جو کسی عرب ملک میں ایک عرب کی سربراہی میں قائم ہو اور یہ عقیدہ کہ وہی اس کے جائز وارث ہیں۔ انگریز ماہرین سیاست اور سبک دست انگریز اہل قلم نے پیدا کیا ۱۸۸۲ء میں مسٹر ویلفرڈ

---

[1] یقظۃ العرب از علی ناصر الدین ص ۳، طبع بیروت [2] ملاحظہ ہو کتاب مذکور ص ۳،

بلنٹ نے (FUTURE OF ISLAM) کے نام سے ایک کتاب لکھی جو تمام ممالک اسلامیہ و عربیہ میں اس قدر مقبول ہوئی کہ اس کے متعدد تراجم اسلامی زبانوں میں ہوئے۔ ہندوستان میں اس کی مقبولیت و اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ لسان العصر میر اکبر حسین الہ آبادی بھی اس کے مترجمین میں ہیں۔ اس کتاب میں مصنف نے بڑی احتیاط اور خوبصورتی سے عربوں میں اس خیال کی تخم ریزی کی ہے۔ کتاب کے مقدمہ میں لکھتا ہے:

"مصر کے لیڈروں نے خلافت کے مسئلہ کے متعلق نہایت اعتدال مرعی رکھا ہے اس جماعت نے مخالفت کو نظر انداز کر کے فقط آزادی کو اپنا مدعا ٹھہرایا ہے۔ اور اس نے اسلام کی دیوار میں کوئی نیا رخنہ پیدا نہیں کیا، نہ پیدا کرنے کا ارادہ رکھتی ہے (سلطان) عبد الحمید خاں برابر اب تک واقعی امیر المومنین تسلیم کئے جاتے ہیں اور نسبتاً زیادہ جائز اور مستحق تر۔ خلافت کا مکرر قیام اس دن پر ملتوی کیا گیا جبکہ عثمانیہ سلطنت کی اجل اس کا خاتمہ کردے، مصریوں کی یہ روش نہایت سنجیدہ ہے ان کو ایسا ہی کرنا بھی چاہئے تھا۔"

آگے چل کر لکھتا ہے:

"یہ کامیابی غالباً چند ہی برسوں کے صبر و تحمل سے نسبتاً زیادہ عام فتح و کامیابی کے ساتھ متبدل ہو سکتی ہے،

www.abulhasanalinadwi.org

اس وقت اس میں بہت تھوڑا شبہ ہو سکتا ہے کہ عبدالحمید
کی وفات یا سلطنت سے اس کی علاحدگی خلافت کے پھر
قاہرہ میں قائم ہونے اور عربوں کے پھر وہاں اپنی گم کردہ مذہبی
صدارت کو از سر نو باقاعدہ طور پر قائم کرنے کا پیش خیمہ ہوگی"

اسی کتاب کے ایک باب میں جس کا عنوان ہے "اصلی دارالسلطنت مکہ" لکھتا ہے:

"دور اندیش مسلمانوں کو اب یہ صاف صاف نظر آرہا ہے کہ
اگر واپسی کا سفر شروع ہوا[1] تو اور بھی آگے جانا پڑے گا، یعنی
مذہب کا اصلی صدر مقام عرب میں ہے جو اس کا زاد و بوم اور
اس کے الہام کا سرچشمہ ہے، دنیا بھر میں یہی ایسا ملک ہے
جہاں مذہبی بادشاہت کو آزادانہ طور پر استعمال کرنے کی
شرائط پائی جاتی ہیں، عرب میں عیسائی یہودی اور کسی قسم
کے غیر مسلم نہیں جن سے اسلام کو مقابلہ کرنا پڑے، نہ ایسا
زرخیز ملک ہی ہے کہ اس کو دیکھ کر مغربی دول کے دہان آز
میں پانی بھر آئے، وہاں خلیفہ کو فرانسیسی یا کسی اور فرنگی
سفیر کی تنبیہ کا اندیشہ نہ ہوگا۔ وہ جیسا کہ پیغمبر کے جانشین
کے واسطے شایان شان ہے، آزادانہ کارروائی کر سکے گا،
اور وہاں اسلام تمام آلائشوں سے پاک اور صاف ہوگا، پس

[1] یعنی قسطنطنیہ کے بجائے ایشیا میں کسی اور جگہ مرکز خلافت بنانے کی کارروائی شروع کی گئی۔

غالباً آئندہ کو خلافت مدینہ یا مکہ کو واپس آئے گی۔"

آگے چل کر لکھتا ہے:-

دینی اقتدار کے صدر مقام کا قسطنطنیہ سے مکہ میں تبدیل ہونا
بالکل آسان اور طبعی امر ہوگا، اس سے عوام کے موجودہ خیالات
میں کچھ فرق نہ آئے گا اور علماء کی آراء اور خیالات کے بالکل
مطابق ہوگا۔ قسطنطنیہ کے معدوم ہونے پر مکہ یا مدینہ بالطبع
اہل حل وعقد کا شرعی مسکن ہوگا اور دینی اقتدار کا مسلمہ
مرکز بن جائے گا، جن لوگوں سے اس مضمون پر میری گفتگو
ہوئی ہے۔ انھوں نے بالاتفاق تعلیم کیا ہے کہ اس مشکل
مسئلہ کے ایسے حل کو ترکی کے حامیوں کے سوائے تمام علماء
تسلیم کریں گے۔ بیشک جہاں تک مسلمانوں کی موجودہ ضرورت
سے مجھے فیصلہ کرنے کا موقع ملا ہے مکہ خلافت کا صدر مقام
ہے آئندہ بھی اس کا اقتدار زائل نہ ہوگا۔ قدیم زمانہ میں یہ
نعرہ سنا جاتا تھا "رما پایہ تخت ہے" اور جن لوگوں کو اب
مکہ کے پایہ تخت ہونے کا خیال بتایا جاتا ہے ان کی قوت
متخیلہ پر بہت اثر ہوتا ہے اور مزید برآں جب یہ کہا جاتا ہے
کہ خلافت قریش سے ہوگی تو کم از کم عرب بے تاب ہو جاتے
ہیں۔

اسلام کا عربی عنصر بے شک ایسے انتخاب کی تائید کریگا

www.abulhasanalinadwi.org

اور یہ بھی یاد رہے کہ عرب کا دائرۂ اقتدار مراقش سے بوشہر تک پھیلا ہوا ہے۔ اسی طرح ہندوستان اور ملایا کے مسلمان بھی اسی دائرہ میں ہیں، بلکہ ترکوں کے سوا جن کی وقعت یوماً فیوماً کم ہو جاتی ہے۔ اسلام کا ہر ایک عنصر اسی دائرہ میں خیال کرنا چاہیے۔[1]"

عربوں کی ترکوں سے بغاوت

۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء میں پہلی عمومی جنگ ہوئی اور عرب ممالک کو اس کا بہترین موقع ہاتھ آیا کہ وہ سلطنت عثمانیہ میں شگاف ڈال سکیں، دوسری طرف اتحادیوں نے بھی اس موقع کو غنیمت جانا اور قومیت کو خوب ہوا دی، لارنس نے اس سلسلہ میں اپنا مشہور کردار ادا کیا اور عربوں میں قومی جوش پیدا کر کے ان کو ترکوں کے خلاف صف آرا کر دیا[2] چنانچہ شریف حسین نے حجاز میں بغاوت کی اور اہل شام نے شام میں، ان مسلمان ترکوں کے مقابلہ میں جنھوں نے پانچ سو برس تک اسلام کا علم بلند اور اس کے دشمنوں کو مرعوب و مغلوب رکھا اور جو اپنی ساری کمزوریوں اور خرابیوں کے باوجود اسلامی قوت و شوکت کی علامت تھے، اُن عربوں نے اتحادیوں کا ساتھ دینا اور ان کے کیمپ میں شامل ہونا گوارا کیا جنھوں نے کبھی کسی مسلمان کی عزت و آبرو کی پرواہ نہیں کی اور کسی عہد و پیماں کا پاس

---

[1] مستقبل اسلام۔ ترجمہ (FUTURE OF ISLAM) شائع کردہ وطن لاہور

[2] ملاحظہ ہو ERIKDOWROTH کی کتاب LAWRENCE OF ARABIA

نہیں کیا اور جن کی قیادت وہ انگریز کر رہے تھے جن کے ہاتھ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سخت ترین مظالم سے رنگین اور ان کی تاریخ اسلام دشمنی کی خونی داستانوں سے آلودہ ہے۔

انھوں نے اس جوش اور ردعمل سے قرآن و حدیث کے ان قطعی نصوص کی بھی پرواہ نہیں کی جو دشمنان اسلام سے ترک موالات اور ان کے حلیف بن کر جنگ کرنے کے خلاف صاف موجود تھے۔ انھوں نے ان خوش کن اور پُرفریب سیاسی وعدوں پر اعتماد کر لیا جو ہر لحظہ دہر آن بدلتے رہتے ہیں اور جو سوائے مصلحت اور سوائے قوت کے فلسفہ کے کسی اور چیز سے آشنا نہیں، انھوں نے حرم کے حدود میں بھی ترکوں کو تہ تیغ کرنے سے گریز نہیں کیا، یہ وہ اقدام تھا جس کی نحوست سے ابھی تک عربوں کا پیچھا نہیں چھوٹا، اس کے بعد شام میں امیر فیصل کی سرپرستی میں ہاشمی عربی حکومت کا قیام، اتحادیوں کی وعدہ خلافی اور تغافل شعاری اور اس حکومت کے ڈرامائی خاتمہ کے وہ واقعات پیش آئے جن سے سب واقف ہیں

قومیت کے مغربی[1] مفہوم کی عربوں میں مقبولیت

اس کے بعد قومیت کے اس مغربی مفہوم کا زمانہ آیا جو ایک مستقل فکر اور فلسفہ ہے اور اس میں وہ ساری حمیت و حرارت اور شعائر و مقدسات پائے جاتے ہیں جو مذہب کے ساتھ مخصوص ہیں۔

تعلیم یافتہ عرب خاص طور پر جن کا رشتہ (مختلف اسباب کی بنا پر) دین

---

[1] قوم پرستی (NATIONALISM) کا اہل مغرب کے یہاں کیا مفہوم

www.abulhasanalinadwi.org

سے کمزور پڑ چکا تھا اور قومی عظمت و شوکت تک جلد از جلد پہونچنے کی شدید خواہش ان میں پیدا ہو گئی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ تہذیب و تمدن اور ترقی پسندی کے میدان میں اپنی معاصر قوموں کے دوش بدوش آگے بڑھیں، ان میں موجودہ حالات سے مایوسی اور مغربی اقوام سے بیزاری اور بدظنی پیدا ہو گئی تھی جنھوں نے اسرائیل کو جنم دیا اور جو برابر اسرائیل کی حمایت کرتی رہتی ہیں۔ ان نوجوانوں نے سخت ردعمل اور فکری اُبال کے عالم میں قومیت کے سایہ میں پناہ لی اور اس کو اپنے درد کا درماں سمجھا۔

اور تصور ہے، اور وہاں کے علمائے سیاست و اجتماع اس کی کیا تعریف کرتے ہیں، ان کے نزدیک اس کی بنیادیں اور اس کے اجزائے ترکیبی کیا ہیں؟ اس کیلئے فن سیاست پر لکھی ہوئی کتابیں اور سیاسی اصطلاحات کی تشریحات دیکھنی چاہئیں۔ اس مختصر حاشیہ میں زیادہ نقول اور حوالوں کی گنجائش نہیں یہاں پر صرف ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے ایک مستند جدید کتاب میں نیشنلزم (NATIONALIZM) کی تعریف اس طرح کیگئی ہے

"نیشنلزم کے معنی اس بات کا یقین کرنا ہے کہ ہمارا ملک تمام دوسرے ملکوں سے اعلیٰ و افضل اور ہماری قومیت دنیا کی دوسری قومیتوں کے مقابلہ میں بالاو برتر ہے، نیشنلزم اس بات کا یقین پیدا کرتا ہے کہ دوسرے ملکوں سے قریبی تعلقات رکھنا غیر ضروری ہے، نیشنلزم کی بہتر شکل یہ ہے کہ اپنے ملک پر مناسب فخر و ناز ہو، اور اس کی بدتر صورت یہ ہے کہ دوسرے ملکوں سے بدسلوکی کی جائے

THE WORLD BOOK ENCYCLOPEDIA VOL. 13 - P. 49

قومیت بحیثیت نظام و فلسفہ اور عقیدہ و مذہب

اکثروں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا اور قومیت کو صرف ایک دفاعی یا تنظیمی تدبیر یا عبوری مرحلہ کے طور پر استعمال نہیں کیا جیسا کہ اس کے بعض داعیوں کا دعویٰ ہے[1] بلکہ قومیت عربیہ کے تقدیس و تنزیہ اور اس کا کلمہ پڑھنے میں انھوں نے پورے جوش و خروش سے کام کیا۔ اور اس کے ساتھ اپنی وابستگی اور وفاداری کے اظہار کے لئے اس کے سوا ہر چیز کے انکار اور اس کی تحقیر کو ضروری سمجھا۔ اس کو انھوں نے عقیدہ و مذہب کی جگہ دی جس کے لئے ان کے اندر وہی تعصب پیدا ہو گیا جو اس وقت تک مذہب کی خصوصیت سمجھی جاتی تھی۔ اس قومیت کے لئے انھوں نے بیباکانہ طریقہ پر مذہب اور اہل مذہب کی تحقیر اور استہزا میں بھی تامل نہیں کیا، اس کا اندازہ ان اقتباسات سے ہوگا جو ان قوم پرست اہل فکر و اہل قلم کی کتابوں اور تحریرات سے لئے گئے ہیں جو قومیت عربیہ کی تحریک[2] کے مستند ترجمان اور شارح سمجھے جاتے ہیں۔ لبنانی مسلمان فاضل علی ناصر الدین اپنی مقبول عام کتاب قضیۃ العرب[3]

---

[1] جس تحریک کے ساتھ مستقل فلسفہ اور فکر ہو اور جس کی جڑیں قلب و دماغ میں بہت گہری ہوں وہ کبھی بھی محض عارضی سلاح یا عبوری مرحلہ کے طور پر استعمال نہیں کی جاسکتی۔ مثال کے طور پر ایران کی قدیم مرکزیت اور جرمنی اور اٹلی کی نازیت اور فسطائیت کو پیش کیا جاسکتا ہے

[2] اس کتاب کے تین ایڈیشن تھوڑے وقت میں نکل چکے ہیں، کتاب اور مصنف کتاب پر ممتاز عرب زعماء و مفکرین کی تقریظیں اور تعریفی تبصرے ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

میں لکھتے ہیں :

"عربوں کا مسئلہ ایک مومن آزاد فطرت ، عاقل ، شریف ، صالح صاف دل ، خود دار اور بلند نظر عرب کے نزدیک ایمان کے مسئلہ سے کم نہیں ، وطن پر ایمان وطن کے لئے ٹھیک اسی طرح جس طرح اللہ پر ایمان اللہ کے لئے ہو سکتا ہے اور بس[1]"

عربوں کے مسئلہ اور اس کے مقاصد و مضمرات کے متعلق لکھتے ہیں :-

"وہ یعنی (عربی قومیت) جہالت ، افلاس ، بیماری ، ظلم و نا انصافی اور ہر قسم کی بے عنوانی اور عصبیت عربیہ کے سوا ہر عصبیت کا مقابلہ کرے گی جو دین و سیاست کی تفریق کی قائل ہے ، وہ اہل دین کو سیاست میں حصہ لینے کی اجازت نہ دے گی ، ایک عرب کے لئے اس کی تعلیم یہ ہو گی کہ وہ جہاں بھی ہو دو چیزوں کے لئے پورا تعصب برتے ، ایک اپنی قومیت کے لئے ، ایک حق و صداقت کے لئے[2]"

یہی مصنف "العروبۃ" یعنی عربیت کی تشریح کرتے ہوئے صاف اور

---

[1] مقدمہ قضیہ العرب از علی ناصر الدین طبع بیروت ۱۹۶۳ء ص ۱۹۔

[2] مقدمۂ قضیۃ العرب از علی ناصر الدین طبع بیروت ۱۹۶۳ء ص ۲۵ ،

واضح الفاظ میں کہتا ہے :-

"قومیت عربیہ پر راسخ ایمان رکھنے والے ہم عرب قوم پرستوں کے نزدیک "عروبۃ" بجائے خود ایک دین ہے اس لئے کہ وہ اسلام اور مسیحیت دونوں سے پہلے اس دنیا میں موجود ہے ، اگرچہ وہ آسمانی مذاہب کے اخلاق و معاملات اور فضائل کا خود بھی حامل و داعی ہے[1]"

اس کے ثبوت میں کہ عربی قومیت اس کے بہت سے داعیوں اور رہنماؤں کی نظر میں مذہب کے متوازی ایک مذہب اور عقیدہ کے بالمقابل ایک عقیدہ بن چکی ہے ۔ ایک دوسرے قوم پرست مفکر کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے :-

"العربی" کے جنوری ۱۹۵۹ء کے شمارہ میں ایک قوم پرست عرب فاضل لکھتے ہیں :-

"وحدت عربیہ کے سب سے پہلے معنی یہ ہیں کہ اس زمین کے تمام باشندوں میں جو اس نام (عرب) سے اپنے کو موسوم کرتے ہیں اتحاد قائم ہو ، عرب اتحاد کی عربوں کے دلوں میں وہی جگہ اور مرتبہ ہے جو اہل ایمان کے قلوب میں خدا کی توحید کا ہے"

مشہور مصری ادیب استاذ محمود تیمور مصر کے مشہور رسالہ "العالم العربی" کے ایک مضمون میں لکھتے ہیں :

---

[1] مقدمۂ قضیۃ العرب از علی ناصر الدین ، طبع ، بیروت ۱۹۶۳ء ص ۱۳۸

www.abulhasanalinadwi.org

"اگر ہر عہد کی ایک مقدس نبوت تھی تو اس زمانہ کی نبوت ہمارے معاشرہ میں عربی قومیت ہے، اس نبوت کا پیغام اپنی قوت کو جمع کرنا، اپنے محاذ کو مضبوط کرنا اور عرب معاشرہ کی انسانی طاقت کو اس رخ پر لے چلنا ہے کہ زندگی کی نعمت و عزت حاصل ہو، عرب مفکرین و ادباء کے کاندھوں پر یہ ایک امانت ہے کہ وہ اس سچی نبوت کے حواری ثابت ہوں، اپنے قلم سے اس کو روشن کریں، اس میں اپنی روح پھونکیں اور اس کے لئے کوشش کریں کہ ترقی و سرسبزی کے سارے اسباب اس کے لئے مہیا ہو سکیں۔"[1]

یہ مفکرین و اہل قلم اس کو اسلامی اتحاد پر ترجیح دیتے ہیں، اس کو زیادہ آسان، ممکن الحصول، زیادہ مؤثر اور طاقت ور اور زیادہ وسعت پذیر تحریک سمجھتے ہیں، ڈاکٹر محمد احمد خلف اللہ اپنے ایک مضمون "عربی قومیت جتنا کہ اس کو ہمیں سمجھنا چاہئیے" میں لکھتے ہیں:-

"آج سیاست داں عربی قومیت کی دعوت دیتے ہیں اور کوئی شک نہیں کہ عرب اتحاد آج اسلامی اتحاد سے زیادہ سہل الحصول ہے، ہماری مصلحت اس میں ہے کہ پہلے ہم اس قریبی مقصد کو حاصل کریں، اس پر مستزاد یہ ہے کہ عربی فکر

---

[1] عربی قومیت از محمود تیمور مجلۃ العالم العربی شمارہ نمبر ۱۷۱۔

فکر اسلامی کے مقابلہ میں پھیلنے اور متاثر کرنے کی زیادہ صلاحیت رکھتی ہے۔ وہ عالم عربی کے تمام باشندوں پر محیط ہے۔ لیکن اسلام ان سب پر شامل نہیں، ان ممالک کے سب باشندے عرب ہیں، لیکن سب مسلمان نہیں، ان میں اب بھی یہودی اور عیسائی موجود ہیں۔"[1]

بعض مفکرین و اہل علم قومیت کی حمایت میں اس قدر مبالغہ اور غلو سے کام لیتے ہیں کہ جو اس نعمت سے محروم ہو اس کا اسلام بھی معتبر نہیں سمجھتے۔ علی ناصر الدین جن کا ذکر پہلے گذر چکا ہے، ایک جگہ لکھتے ہیں:-

"ہماری رائے میں یہ بہت مشکل ہے کہ کوئی غیر عرب ایسا مسلمان بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ خدا اور اس کے رسول کو مطلوب ہے، کوئی شخص اتنی بات پر کہ اس کے والدین مسلمان ہیں اور وہ ایک مسلمان گھر میں پیدا ہوا ہے مکمل مسلمان نہیں ہو سکتا، اس کو ایسا ہونے کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ وہ اپنی زبان اپنی ثقافت اور اپنے رجحانات کے لحاظ سے عرب ہو۔"[2]

عرب قومیت لادینیت اور الحاد کی نقیب محدود نقطۂ نظر کی حامی

یہ انداز فکر جو ایک ایسے عقیدہ اور نظریہ کی غمازی کرتا ہے جو خوب راسخ

---

[1] مجلۃ العربی پہلا شمارہ دسمبر ۵۸ء ص ۲۴ [2] حاشیہ قضیۃ العرب ص ۱۳۹

www.abulhasanalinadwi.org

اور پختہ ہو چکا ہے اور اپنے ارتقار کی آخری منازل طے کر چکا ہے) صرف مغرب کی لادینی قومیت کی صدائے بازگشت ہے اور یہی چیز ہے جسے ہم اسلام کے لئے خطرناک سمجھتے ہیں ہم یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اسلام کا حریف و رقیب ہے اور عربوں کے معاشرہ اور ان کے قلب و دماغ میں وہ جگہ لینا چاہتا ہے جو ابھی تک اسلام کے لئے مخصوص تھی۔ وہ جس قدر ترقی کرے گا اور پھلے پھولے گا اسلام کی گرفت کمزور اور اس کا اثر مضمحل ہوتا چلا جائے گا۔ وہ اسلام کے اولین داعیوں کی تمام کوششوں پر پانی پھیر دینے کے درپے ہے اور چاہتا ہے کہ عربوں کا رشتہ ان کی قوت و حیات کے سرچشمہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی دعوت و پیغام سے اور اس کے بعد سارے عالم اسلام اور مسلم اقوام سے منقطع ہو جائے اور ان کی توجہ انسانیت کے مستقبل اور اقوام عالم کی رہنمائی سے بالکل ہٹا دے[1]۔ وہ عربوں کو جو ایک ایسی ملت کا اہم حصہ ہیں جو پوری انسانیت کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ ایک ایسی محدود اور تنگ نظر قوم میں تبدیل کر دینا چاہتا ہے جو مسائل کو صرف اپنے (قومی) نقطہ نظر

---

[1] عالم اسلامی کی دوسری مسلم اقوام سے عرب قوم پرست حکومتوں اور افراد کی بے تعلقی بالکل عیاں ہے۔ قبرص کے ترکوں اور ہندوستان کے مسلمانوں کے بارے میں انکے اندر کوئی گہرا ہمدردی کا جذبہ اور جوش نہیں پایا جاتا، اور انھوں نے اس صورت حال کے خلاف کوئی احتجاج نہیں کیا۔ بلکہ جب اگست ۱۹۶۳ء میں ترکی نے اپنی مجبور و مظلوم مسلم اقلیت کے تحفظ کیلئے جنگی اقدام کیا تو مصر اور اسکے اخبارات نے کھلے طریقہ پر قبرصی یونانیوں کے ساتھ اپنی ہمدردی کا اظہار اور انکی تائید کی۔ اس اعتماد اور تجربہ کی بنا پر قبرص کے یونانی صدر میکاریوس نے جن دو ملکوں سے اسلحہ کی امداد مانگی ان میں ایک روس تھا دوسرا مصر

سے سوچنے کی عادی اور صرف اپنے ہی لئے جینے اور مرنے کا خواب دیکھتی ہے۔

حیرت و افسوس کی بات ہے کہ عرب قوم پرست تو اپنے دائرہ کے اندر سوچیں اور اپنی تمام سرگرمی اور جدوجہد کو صرف عرب اقوام تک محدود رکھیں حالانکہ ان کی اکثریت دین اور عقیدہ کے لحاظ سے مسلمان ہے اور ملحد کمیونسٹ انسانیت کی سطح پر سوچیں اور ملک و قوم کے امتیازات سے بالاتر ہو کر تمام دنیا کے محنت کش طبقہ اور مزدوروں و کسانوں کے مسئلہ پر غور کریں طرز فکر کا یہ اختلاف اس وقت کھل کر سامنے آیا جب روسی وزیر اعظم خروشچیف نے مصر کا دورہ کر رہے تھے۔ ۱۶ مئی ۱۹۶۴ء کو عرب مزدور ٹریڈ یونین کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے صدر ناصر کی تقریر پر نکتہ چینی کی۔ انھوں نے کہا کہ:-

> "آپ نے اپنی تقریر میں ایک ایسا سوال اٹھایا ہے جس کا میں پہلے بھی کئی بار تذکرہ سن چکا ہوں، آپ عرب اتحاد پر زور دے رہے ہیں لیکن میں اس سلسلہ میں کہنا چاہوں گا کہ اتحاد کے سوال کو ہم روسی اس کے وسیع تر معنوں میں دیکھتے ہیں، ہم اتحاد کی بنیاد قوم پروری کے تصور پر نہیں بلکہ محنت کش طبقہ کی طاقت پر رکھتے ہیں"[1]۔

عرب مسلمان دراصل اس بات کے زیادہ حقدار تھے کہ عالمی سطح پر مسائل پر غور کریں اور عقائد اسلامی اقدار کی بنیاد پر پوری انسانیت کی فلاح و بہبود سے دلچسپی

---

[1] روزنامہ قومی آواز ۲۲ مئی ۱۹۶۴ء

www.abulhasanalinadwi.org

لیں اور زیادہ "بین الاقوامیت" اور "انسانیت دوستی" کا ثبوت دیں لیکن قومیت کا مزاج ان کو اس تنگ دائرے سے باہر نہیں نکلنے دیتا اور انسانیت کے لئے ان کے دل میں کچھ زیادہ گرم جوشی اور جذبہ نظر نہیں آتا۔

قوم پرستی کی غالی تحریک کا ایک قدرتی نتیجہ یہ بھی ہے کہ الحاد و بے دینی اور مذہب بیزاری کی ایک تیز و تند لہر عالم عربی میں اٹھے اور نوجوان اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں، اس طرز فکر کے نمونے قوم پرست ادبا و مفکرین میں نظر آنے لگے۔ اس کا ایک بہترین نمونہ "مشہور قوم پرست صحافی ڈاکٹر احمد ذکی مدیر رسالہ "العربی"[1] کا وہ مضمون ہے جو انھوں نے کویت کے کثیر الاشاعت اور مقبول "رسالہ العربی" کے پہلے شمارہ میں لکھا تھا وہ کہتے ہیں:

"رسالہ العربی" عربیت کو دین کے ساتھ نہیں جوڑتا سب لوگ اللہ کے بندے اور اس کے راستہ کے مسافر ہیں، راستے مختلف اور منزل مقصود ایک ہے، ہر زندہ انسان اس زندگی کی ضمانت چاہتا ہے اور اطمینان و سکون کا خواستگار ہے، دین کے ذریعہ وہ اس زندگی کے بعد کی ضمانت حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن صدیوں کے خوں آشام تجربوں نے اس بات کو ظاہر کردیا ہے کہ دین (جو اس

---

[1] شرق اوسط اور ممالک عربیہ کا سب سے زیادہ کثیر الاشاعت اور مقبول عربی رسالہ جو کویت کی حکومت کی سرپرستی میں نکلتا ہے اور جسکو عربوں کے مزاج کو بگاڑنے میں بہت بڑا دخل ہے۔

زندگی کے بعد والی زندگی کی ضمانت کا طالب تھا) اس نے خود اس زندگی کا امن و سکون چھین لیا ہے، اب ایک عاقل اور صاحب فکر جو اللہ کے اس عطیہ آزادی رائے سے متمتع ہو، اس کے سوا اور کچھ نہیں کہہ سکتا کہ لوگوں کا پیچھا چھوڑو، وہ اللہ تک پہونچنے کے لئے جس راستہ پر چاہیں چلیں، یہانتک کہ وہ شخص بھی جو اس راستہ پر نہ چل رہا ہو یعنی ملحد و بے دین، اس لئے کہ اس کے اس فعل کی ذمہ داری تنہا اس پر ہوگی نہ کہ دوسرے لوگوں پر[1]"

یہی بات عمر فاخوری نے عرصہ ہوا اپنی کتاب (کیف ینہض العرب؟) (عرب کیسے ترقی کرسکتے ہیں؟) میں کہی تھی۔

"عرب اس وقت تک ترقی نہیں کرسکتے جب تک کہ عربیت اور عربی اصول ان کا مذہب نہ بن جائے گا اور وہ اس کے لئے اتنے غیرت مند، حساس، اور پرجوش نہ ہوں گے جتنے مسلمان نبی کریم کے قرآن مجید کے لئے، عیسائی اور کیتھولک رحم دل مسیح کی انجیل کے لئے، پروٹسٹنٹ لوتھر کی اصلاحی تعلیمات کے لئے اور فرانس کے انقلابی روسو کے جمہوری اصولوں کے لئے ہیں اور اس کے لئے ایسا تعصب نہ برتیں گے جسکا مظاہرہ سینٹ پیٹر کی دعوت پر صلیبیوں نے کیا تھا[2]"

---

[1] "العربی" پہلا شمارہ [2] الامۃ العربیۃ فی معرکۃ تحقیق الذات ص ۱۴۱

www.abulhasanalinadwi.org

عرب قومیت کی تحریک مشرق وسطیٰ کے عیسائیوں کی گہری سازش

درحقیقت عرب مسلمان مشرق وسطیٰ کی اس چھوٹی سی مگر زیرک ہوشمند غیر مسلم آقلیت کی سازش کا شکار ہوئے ہیں جس کا مستقبل صرف عربی قومیت کی بقا و ترقی سے وابستہ ہے اور جو صرف اسی راستہ سے عالم عربی کی قیادت حاصل کر سکتی ہے اور اس کو اس عالم اسلام سے منقطع کر سکتی ہے جس کا اس آقلیت کے ساتھ دینی عقائد اور تاریخ کا کوئی رشتہ نہیں ہے، اس بات کو سمجھنے کے لئے اتنا کافی ہے کہ میشیل عفلق جو عیسائی ہیں بعث پارٹی کے سربراہ اور مشرق وسطیٰ میں عرب قوم پرستی کی تحریک کے سب سے بڑے فلسفی اور مفکر مانے جاتے ہیں۔

غیر مسلم مفکرین نے اس فلسفۂ قومیت کو جس چابک دستی اور ذہانت سے مرتب کیا ہے اور اس میں جس طرح علمی (سائنٹفک) انداز فکر پیدا کیا گیا ہے اور اس میں ایک عرب تعلیم یافتہ نوجوان کے لئے جو احساس برتری کے نشہ سے سرشار ہے جو کشش پائی جاتی ہے اس کا اندازہ مندرجہ ذیل اقتباسات سے ہوگا جو میشیل عفلق کی کتاب فی سبیل البعث[1] سے اخذ کئے گئے ہیں جس کو اس تحریک دعوت کا صحیفہ کہنا صحیح ہوگا۔

"یہ قدرتی طور پر بالکل ممکن ہے کہ کوئی شخص بھی خواہ وہ محدود

[1] اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ مصر کی قومیت عربیہ کے مفکر و زعماء بھی ان کے خوشہ چیں اور انکے سامنے طفل مکتب کی حیثیت رکھتے ہیں۔

سے محدود صلاحیت رکھتا ہو محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حقیر اور دھندلی تصویر بن سکے جب تک وہ ایک ایسی قوم سے تعلق رکھتا ہے جس نے اپنی ساری قوتیں اور صلاحیتیں جمع کر کے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پیدا کیا یا زیادہ مناسب الفاظ میں جب تک وہ شخص اس قوم کا فرد ہے جس کے لئے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی ساری قوتیں جمع کر دیں اور اس کی تخلیق کی، کسی زمانے میں ایک شخص کے اندر پوری قوم کی زندگی مجسم ہو گئی تھی اور آج اس کی ضرورت ہے کہ اس قوم کی جو نئی ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہے۔ پوری زندگی اس عظیم الشان شخصیت کی زندگی کی تفصیل اور امتداد بن جائے، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کُل عرب تھے آج کُل عربوں کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہونا چاہیئے[1]

"—— اسلام کو فتحیاب اور غالب ہونے میں جو اتنی تاخیر ہوئی وہ دراصل اس وجہ سے تھی کہ عرب اپنی ذاتی کوشش اور جد و جہد اور خود اپنے وجود اور دنیا کے باہمی تجربات اور امتحانات کے نتیجہ میں اور بہت سی آزمائشوں اور تکلیفوں، امید و ناامیدی اور کامیابی و ناکامی کے بعد حقیقت

[1] ص ۴۵

www.abulhasanalinadwi.org

تک پہونچ جائیں، یعنی ایمان خود ان کے اندر سے پیدا ہو اور وہ ایمان تجربہ سے ملا ہو، زندگی کی گہرائیوں سے وابستہ حقیقی ایمان بن سکے اس لحاظ سے اسلام ایک عربی تحریک تھا اور اس کے معنی تھے عربیت کی تجدید و تکمیل[1]"

"—— اسلام عرب قوم کے جذبۂ ابدیت و وسعت کا بہترین اظہار و تعبیر ہے اس لحاظ سے وہ اپنی حقیقت میں عربی ہے، اپنے مثالی مقاصد میں انسانی ہے، پس اسلام کا پیغام درحقیقت انسانی عربی اخلاق ہے[2]"

"—— اس لئے وہ معنی جس کو اس اہم تاریخی دور میں اور ترقی و تغیر کے اس اہم تاریخی دور میں اسلام آشکارا کر رہا ہے یہ ہے کہ ساری قوتیں عربوں کی طاقت بڑھانے اور ان کو ترقی دینے پر صرف کی جائیں اور یہ ساری قوتیں عرب قومیت کے دائرہ کے اندر محصور ہوں[3]"

"—— یورپ میں خالص قومی نظریہ منطقی بنیاد پر قائم ہے جبکہ قومیت کا مذہب سے انفصال طے شدہ امر بن چکا ہے اس لئے کہ یورپ میں مذہب باہر سے آیا ہے اور اس کے مزاج اور تاریخ کے لئے اجنبی ہے اور وہ عقیدۂ آخرت

---

[1] ص ۴۶ [2] ص ۴۷ [3] ص ۴۸

اور اخلاق کا خلاصہ ہے۔ وہ نہ ان کے ماحول کی ضروریات کا آئینہ دار ہے نہ ان کی تاریخ کے ساتھ وابستہ ہے جب کہ اسلام عربوں کے لئے صرف ایک اُخروی عقیدہ یا بعض اخلاقی کا مجموعہ نہیں بلکہ وہ زندگی کے بارہ میں ان کے نقطۂ نظر، ان کے کائناتی شعور کا فصیح ترین ترجمان اور ان کی شخصیت کی وحدت کی طاقتور تعبیر ہے، جس میں الفاظ شعور اور فکر کے ساتھ وابستہ اور پیوست ہیں[1]"

دعوت اسلامی کے لئے خطرہ

میرا اعتقاد ہے کہ عربوں کا خمیر دین کے ساتھ اٹھایا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس طرح گھل مل گیا ہے کہ اب ان کو اس سے علیحدہ اور آزاد کرنا آسان نہیں اور باوجود اس کے کہ نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کا ایک بڑا حصہ قومیت سے متاثر اس کا علم بردار اور داعی ہے جمہور کو اسلام سے محبت ہے اور وہ اس کے سوا کچھ اور نہیں جانتے، اس کے بغیر کسی اور چیز سے ان کے اندر جوش نہیں پیدا ہوتا اور یہی وہ جذبہ اور طاقت تھی جس نے اس سے ریف (مراکش) الجزائر اور معرکۂ سویز میں زبردست قربانیاں کرائیں، ان میں نشہ پیدا کیا اور ان کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔

لیکن قوم پرستی کے اندر نوجوانوں کے لئے جو کشش اور اس کے علم برداروں

---

[1] ص ۴۸۔

www.abulhasanalinadwi.org

کے پاس اپنے نظریہ کی تبلیغ و اشاعت اور حقائق کی رنگ آمیزی کے جو وسیع وسائل و امکانات ہیں اور پھر بعض عظیم عرب حکومتوں نے اس تحریک کی جو کھلی سرپرستی اور پشت پناہی شروع کردی ہے اور صحافت و دعایت علم و ادب، فکر و فلسفہ کی زبردست طاقتوں کو اس کی توسیع و اشاعت پر مرکوز کردیا ہے پھر مغرب کی مسلسل بے اعتنائیوں اور غلطیوں نے عرب نوجوانوں میں جو اشتعال اور غم و غصہ کی لہر پیدا کردی ہے اس سب کے ماسوا دینی گرفت کی کمزوری اور مادیت و الحاد کے سیلاب نے اس کے لئے جو زمین ہموار کردی ہے اس کے پیش نظر اندیشہ ہے کہ یہ عرب تعلیم یافتہ نوجوانوں اور بعض نوخیز عرب اقوام اور حکومتوں کا آئین اور منشور نہ بن جائے اور عربوں کے مزاج میں ایسا گہرا اور دیرپا تغیر نہ واقع ہوجائے جو دعوت اور فکر اسلامی کے لئے مستقل رکاوٹ اور عربوں کے اسلام سے اسی طرح دور ہوجانے کا ذریعہ نہ بن جائے جس طرح ترکی میں نظر آرہا ہے۔

عرب قومیت کی مخالفت کا اصل سبب اور محرک

یہ اندیشہ اور خلش (جو بے بنیاد نہیں ہے۔ اور جس کی معقولیت کا ثبوت اوپر کے اقتباسات اور تحریری نمونوں سے ہوا) ان لوگوں کو قومیت عربیہ کی تحریک کی مخالفت پر آمادہ کرتی ہے جو ان تغیرات اور اس کے دور رس نتائج اور اثرات پر نظر رکھتے ہیں اور جو عربوں کو دعوت اسلامی کا راس المال اور بلاد عربیہ کو اسلام کا اولین سرچشمہ اور آخری پناہ گاہ سمجھتے ہیں اور قومیت کے اس مغربی مفہوم سے واقف

ہیں جو حقیقت میں دین کا حریف و رقیب اور الحاد و بے دینی کا پیش خیمہ ہے وہ اس صورت حال کو دیکھ کر بے چین ہوجاتے ہیں اور قدیم ایرانی شاعر کے الفاظ میں پکار اٹھتے ہیں ؎

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

مغرب کے رمز شناسوں کی قومیت پر تنقید

جو لوگ قومیت کے اس مغربی مفہوم سے واقف ہیں اور ان کی تحریک قوم پرستی (نیشنلزم) کے مغربی لٹریچر پر براہ راست نظر ہے وہ اس کو اسلام کا براہ راست حریف سمجھتے ہیں جو وحدت اسلامی کا داعی اور ایک عقیدہ کی بنیاد پر ایک ملت کی تاسیس اور ایک معاشرہ کی تشکیل کرتا ہے وہ اس قوم پرستی یا مغربی معنی میں وطنیت اور قومیت کو دنیا کی سب سے بڑی تخریبی طاقت اور نوع انسانی کی تفریق اور انتشار کا ذمہ دار سمجھتے ہیں انھیں اہل فکر و نظر میں علامہ اقبالؒ بھی تھے جن کی مغربی لٹریچر پر گہری اور نہایت وسیع نظر تھی، وہ اپنے ایک مقالہ میں جو مارچ ۱۹۳۸ء میں لکھا گیا ہے قومیت وطنیت کے مغربی مفہوم پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قدیم الایام سے اقوام اوطان کی طرف اور اوطان اقوام کی طرف منسوب ہوتے چلے آئے ہیں، ہم سب ہندی ہیں اور ہندی کہلاتے ہیں، کیونکہ ہم سب کرۂ ارضی کے اس حصہ میں بود و باش رکھتے ہیں جو ہند کے نام سے

www.abulhasanalinadwi.org

موسوم ہے۔ علی ہذا القیاس چینی، عربی، جاپانی،
ایرانی وغیرہ، وطن محض ایک جغرافیائی اصطلاح ہے
اور اس حیثیت سے اسلام سے متصادم نہیں ہوتا، ان معنوں
میں ہر انسان فطری طور پر اپنے جنم بھوم سے محبت رکھتا ہے
اور بقدر اپنی بساط کے اس کے لئے قربانی کرنے کو تیار رہتا
ہے۔ مگر زمانۂ حال کے سیاسی لٹریچر میں وطن کا مفہوم محض
جغرافیائی نہیں بلکہ "وطن" ایک اصول ہے ہیئت اجتماعیہ
انسانیہ کا اور اسی اعتبار سے ایک سیاسی تصور ہے چونکہ
اسلام بھی ایک ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کا ایک قانون ہے
اس لئے جب لفظ "وطن" کو ایک سیاسی تصور پر استعمال
کیا جائے تو وہ اسلام سے متصادم ہوتا ہے۔"

خطبۂ صدارت مسلم کانفرنس منعقدہ لاہور ۱۹۳۲ء میں ڈاکٹر اقبال فرماتے ہیں۔

"میں یورپ کے پیش کردہ نیشنلزم کا مخالف ہوں اس لئے
کہ مجھے اس تحریک میں مادیت اور الحاد کے جراثیم نظر آرہے
ہیں، اور یہ جراثیم میرے نزدیک دور حاضر کی انسانیت
کے لئے شدید ترین خطرات کا سرچشمہ ہیں اگرچہ حب وطن
ایک فطری امر ہے اور اس لئے انسان کی اخلاقی زندگی
کا ایک جزء ہے، لیکن جو شے سب سے زیادہ ضروری ہے
وہ انسان کا مذہب اور اس کا کلچر اور اس کی ملی روایات

ہیں، یہی وہ چیزیں ہیں جن کے لئے انسانوں کو زندہ رہنا چاہئے اور جن کی خاطر انھیں
اپنی جان قربان کرنی چاہئے۔ وہ خطۂ زمین جس میں وہ رہتا ہے اور جس کے ساتھ
عارضی طور پر اس کی روح وابستہ ہوتی ہے اس لائق نہیں کہ اسے خدا اور مذہب
سے برتر قرار دیا جائے۔"

اپنے فارسی اشعار میں انھوں نے اس سے زیادہ پرجوش اور واضح طریقہ
سے انھیں خیالات کا اظہار کیا ہے۔ وہ عصر جدید کے انسان کی آزری و
بت تراشی، قومیت اور وطنیت کی بدعت اور اس کے تخریبی اثرات کا ذکر
کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فکرِ انساں بت پرستے، بت گرے — ہر زماں در جستجوئے پیکرے
باز طرحِ آزری انداخت است — تازہ تر پروردگارے ساخت است
کاید از خوں ریختن اندر طرب — نام او رنگ است و ہم ملک و نسب
آدمیت کشتہ شد چوں گوسفند
پیش پائے ایں بتِ ناارجمند

علامہ اقبال ایک دوسری جگہ اتحاد اسلامی کے مشہور داعی سید
جمال الدین افغانیؒ کی زبانی یہ حقیقت آشکارا کرتے ہیں کہ کس طرح سادہ لوح
مسلمان اس بارے میں دانایان فرنگ کے فریب کا شکار ہو گیا ہے، اور
"رب المشارق و ..... المغارب" کا پرستار کس طرح حدود و ثغور میں
مقید ہو کر رہ گیا ہے۔

جاوید نامہ میں وہ فرماتے ہیں:-

www.abulhasanalinadwi.org

لُردِ مغرب آں سراپا مکر و فن　　اہلِ دیں را داد تعلیم وطن
او بفکر مرکز تو در نفاق　　بگذر از شام و فلسطین و عراق
تو اگر داری تمیزِ خوب و زشت　　دل نہ بندی با کلوخ و سنگ و خشت
چیست دیں برخاستن از روئے خاک　　تا ز خود آگاہ گردد جانِ پاک
می نگنجد آں کہ گفت اللہ ھو　　در حدودِ ایں نظامِ چار سو
پرکہ از خاک و بر خیزد خاک　　حیف اگر در خاک میرد جانِ پاک
گرچہ آدم بر دمید از آب و گِل　　رنگ و نم چوں گُل کشید از آب و گِل
حیف اگر در آب و گِل غلطد مدام　　حیف اگر برتر نپرّد زیں مقام
گفت تن در شو بخاکِ رہ گُذر　　گفت جاں پہنائے عالم را نگر
جاں نگنجد در جہات اے ہوشمند　　مردِ حُر بیگانہ از ہر قید و بند

حُرز خاکِ تیرہ آید در خروش
زانکہ از بازاں نیاید کار موش

ڈاکٹر اقبال کے علاوہ مغربی تعلیم و تہذیب سے براہ راست آشنا اور مغربی قومیت کے اصل مفہوم سے واقف رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر نے بھی اپنے مضامین میں قومیت کے مغربی مفہوم پر تنقید کی ہے اور اس سے اپنی بیزاری کا اعلان کیا ہے وہ اپنے ہفت روزہ "ہمدرد" کے ۱۲ اکتوبر ۱۹۲۶ء کے شمارہ میں لکھتے ہیں :-

"جس طرح تحفظ نفس بگڑ کر نفس پروری بن جاتا ہے تحفظ اہل و عیال بھی بگڑ کر ہمیں ملت فروشی تک پہنچا دیتا ہے

یہ سچ ہے کہ ملت پروری بگڑ کر تعصب و غلو کے دین بن جاتی ہے لیکن کیا قوم پروری بگڑ کر اس ناانصافی تک نہیں پہنچ جاتی جس کے باعث کسی کہنے والے نے خوب کہا ہے کہ خدا نے انسان کو پیدا کیا اور شیطان نے قوم کو۔

اسلام نے دنیا کو مسلم و کافر دو ملتّوں میں ضرور تقسیم کیا ہے لیکن کیا اسلام نے اس کی اجازت دی ہے کہ اپنی ملت کی محبت میں کوئی مسلمان اتنا سرشار ہو جائے کہ نبی آدم کے ساتھ انصاف کو یک قلم ترک کر دے جس قومیت کے ہمارے احباب اتنے دلدادہ معلوم ہوتے ہیں کیا گذشتہ جنگ عمومی کی آتش عالمگیر اسی کے شرارے سے نہیں بھڑک اٹھی ہے۔ حقیقتاً ساری تاریخ عالم کو چھان ڈالو، تمام مذہبی لڑائیوں، جہادوں اور حروب صلیبی میں اتنا خون نہیں بہا تھا جتنا صرف اس ایک قومیت میں بہہ گیا اور دین و مذہب کے نام سے جو لڑائیاں لڑی گئیں ان میں بہت سے نبرد آزما گو بہت سے گناہوں سے پاک نہ رہے ہوں گے، لیکن گزشتہ جنگ میں جو انسانی حقوق کا ایک بحر بے کراں بن گیا تھا وہ بھی اگر دریائے قصاص بن جاتا تب ہی غالب کا قول ان قومیت کے سورماؤں کے لئے صحیح ہوتا ؎

www.abulhasanalinadwi.org

دریائے معاص تنک آبی سے ہوا خشک
میرا سر داماں کبھی ابھی تر نہ ہوا تھا!
کوئی فسق و فجور ایسا نہ تھا جس کا ارتکاب اس مہذب
جنگ قومیت میں نہ ہوا ہو اور جو روا نہ رکھا گیا ہو۔"

(مضامین محمد علی ص ۲۶۸)

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

" دنیا کی تقسیم جغرافیائی یا بنی آدم میں اختلاف نسل کے متعلق ہماری کوتہ نظریں قومیت کی تکوین کا باعث ہوتی ہیں لیکن برخلاف اس کے اختلاف عقائد جو ذوی العقول کے لئے سب سے زیادہ قطعی تقسیم کا سبب ہوتے ہیں تکوین ملت کا باعث ہیں۔ اس معنی میں "ملیت" قومیت کے منافی ہے اور اسلام نے دنیا کو سیاسی یورپ کی طرح قوموں اور ملکوں میں تقسیم نہیں کیا ہے۔ بلکہ ذوی العقول کو اختلافات عقلی یعنی اختلافات مذہبی کی بنیاد پر منطقوں میں تقسیم کیا ہے"

(مضامین محمد علی ص ۲۶۶-۲۶۷)

خاتمۂ کلام

قومیت دراصل قوم پرستی اور (NATIONALISM) کا جو مغربی مفہوم اور تشریح ہے اس کے مطابق عالم اسلام کے جس گوشے میں اور ملت اسلامیہ واحدہ کے جس گھرانے اور کنبہ (ملک) میں یہ تحریک پیدا ہوا اہل بصیرت اور اہل حمیت کو اس سے اختلاف ہی کرنا چاہئے تھا۔ اپنے ملک اور اپنی قوم کو سب سے اعلیٰ اور افضل اور بالاتر سمجھنا، اپنے آباو اجداد اور اپنے ماضی اور تاریخ پر (بلا لحاظ اس کے کہ وہ اسلام کی تعلیم اور اصول کے مطابق یا مخالف ہے) فخر کرنا اور ان کو قابل تقلید اور واجب التعظیم سمجھنا اور اپنی ہی خیالی دنیا میں مست رہنا ہی صحیح قوم پرستی اور نیشنلزم ہے ـــــ اسی قوم پرستی کا حد اعتدال میں رہنا اس کے قائدین اور رہنماؤں میں جارحیت کا پیدا نہ ہونا اور اپنے ہمسایہ ممالک اور معاصر اقوام پر دست درازی نہ کرنا یا ان پر غلبہ اور تفوق کا جذبہ نہ پیدا ہونا درحقیقت ایک غیر فطری امر ہے اور اس بات کی دلیل ہے کہ یہ تحریک ابھی اپنے نقطۂ عروج پر نہیں پہونچی اور اس نے ابھی اپنے پورے جوہر اور اپنی اندرونی صلاحیتوں کا اظہار نہیں کیا۔ قوم پرستانہ ادب اور لٹریچر اس کے قائدین کے تقریروں اور اس نظام و تعلیم و تربیت کے بعد جو قوم پرست حکومتیں جاری کرتی ہیں۔ اس قوم کا اپنے حدود میں رہنا بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک ایرانی شاعر نے کہا ہے ؎

www.abulhasanalinadwi.org

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردئی
باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

لیکن ان سب قومی تحریکوں کے مقابلے میں کسی عرب قوم کی قوم پرستی کی تحریک زیادہ خطرناک اور زیادہ سنگین نتائج کی حامل اس لئے ہے کہ وہ ان کو دینی جاہلیت کے احترام اور اپنے اجداد و اسلاف کی تعظیم و تکریم کی طرف لے جاسکتی ہے یا کم سے کم ان کی نفرت اور حقارت کو کم کرسکتی ہے، جن کو قرآن نے کفر کے ایک معیاری دور کے طور پر پیش کیا ہے اور جس کی قباحت اور اس کے ساتھ نفرت کو مختلف طریقوں سے ابھارا ہے "اذ جعل الذین کفروا فی قلوبہم الحمیۃ حمیۃ الجاهلیۃ" (جبکہ ان کافروں نے اپنے دلوں میں عار کو جگہ دی اور عار بھی جاہلیت کی)

اس طرح ان صنادید کفر سے بھی نفرت کم ہونے کا اندیشہ ہے جو براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں دعوت اسلامی کی مخالفت میں میدان میں آئے اور اس کا نتیجہ زوال ایمان اور ایک طرح کے ارتداد کے سوا اور کچھ نہیں چنانچہ ادھر کچھ عرصہ سے عرب قوم پرستوں میں یہ رجحان پیدا ہوتا جا رہا ہے کہ مسلمان مورخوں نے جاہلیت کو ضرورت سے زیادہ بدنام کیا ہے اس کی طرف سے مدافعت اور اس کی حمایت کا جذبہ کچھ کچھ پیدا ہو چلا ہے۔ بعض عرب ملکوں کی وزارت تعلیم و تربیت میں اور ان کے تصنیفی حلقوں میں یہ تحریک بھی چل رہی ہے[1] کہ جاہلیت اور العصر الجاہلی کی بجائے عرب قدیم یا ماقبل اسلام کی اصطلاح چلائی جائے۔ اگر عرب

[1] اس تحریک میں مستشرقین کی رہنمائی اور مشورہ کو بڑا دخل ہے۔ مستشرقین کی بعض جدید تصنیفات میں اسکا نمونہ دیکھا جاسکتا ہے۔

قوم پرستی کی تحریک اسی طرح اپنے ارتقار کے منازل طے کرتی رہی اور کوئی ردعمل نہ ہوا تو وہ دن بھی کچھ دور نہیں کہ ابوجہل اور ابولہب کی طرف سے مدافعت اور وکالت شروع ہو جائے اور بعض قومی کارناموں اور اعلیٰ عربی صفات کی بنا پر ان کو قومی ہیرو یا عظمائے عرب میں شمار کیا جائے۔

جہاں تک مصر کا تعلق ہے جو اپنی اسلامی خدمات اور دینی جوش و جذبہ میں ہمیشہ نامور رہا ہے وہاں قوم پرستی کے ارتقار کی یہ منزلیں کھلے طریقہ پر سامنے آگئیں ہیں۔ قومیت عربیہ کے علاوہ ایک بڑا حلقہ قومیت مصریہ کے نشے سے بھی مخمور ہے۔ فرعون اور فراعنہ اور ان کے عہد و تمدن پر صاف صاف فخر کرنے کی تلقین کی جاتی ہے۔ اور اب ان ناموں اور ان کی طرف منسوب کی ہوئی چیزوں میں وہ شناعت باقی نہیں رہی جس سے سارا قرآن بھرا ہوا ہے۔ فراعنہ کے مجسمے جابجا قومی عظمت کی یادگار کے طور پر نصب کئے جارہے ہیں، اور ان پر کروڑوں روپیہ صرف کیا جارہا ہے۔ اس دور کے احیار اور اس کی تہذیب و تمدن کو اجاگر کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ ہمیں صحیح حدیث میں ایمان کی علامت بتائی گئی تھی کہ کفر کی طرف واپس جانے سے اس طرح بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور اس طرح وحشت اور انقباض طاری ہو جیسے آگ میں ڈالے جانے کے تصور سے[1]۔

قوم پرستی کی ان تحریکوں سے اور قوم پرست غیر مسلم (مسیحی) رہنماؤں، ادیبوں

[1] ملاحظہ ہو صحیح بخاری کتاب الایمان باب ثلاث من کن فیہ وجد حلاوۃ الایمان

اور مصنفین کے اثر سے کفر و اہل کفر سے نفرت برابر کم ہوتی جارہی ہے۔ اس کی جگہ ان غیر عرب مسلمان ملکوں اور اقوام کی نفرت جگہ لے رہی ہے جو اس قوم پرستی کے مخالف ہیں یا کسی دوسرے بلاک میں ہیں۔ قبرص میں صدر ناصر کی مسلمان ترکوں کے مقابلے میں مسیحی یونانیوں سے ہمدردی اور ان کی فوجی امداد نیز بعض ان افریقی حکومتوں کی تائید نے جنھوں نے بڑی سفاکی کے ساتھ اپنی مسلم رعایا کو قتل کیا اور ان کی نسل کشی کی[1] اس کو نمایاں طریقہ پر ثابت کر دیا ہے۔

ان روشن وجوہ و دلائل کی بناء پر جواب خطرے اور اندیشے نہیں رہے بلکہ واقعات اور حقائق بن گئے۔ اہل علم اور اہل فکر کو قومیت عربیہ کی تائید یا اس کے بارے میں کلمۂ خیر کہنے سے احتیاط کرنی چاہیئے۔ اور اگر ضرورت ہو تو اس کی تردید اور اس پر تنقید کر کے اپنا وہ منصبی فریضہ ادا کرنا چاہیئے۔ جو دین و شریعت کی رو سے ان پر عائد ہوتا ہے۔

---

[1] مثال کے طور پر حبشہ اور کینیا۔

www.abulhasanalinadwi.org